ایک حدیث

مملکتِ اسلامیہ کے فرائض

سنن ابی داؤد میں حضرت مقدامؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان یوں مروی ہے:

انا اولیٰ بکل مؤمن من نفسہ فمن ترک دینا او ضیعۃ فالیّ ومن ترک مالا فلورثتہ، وانا مولیٰ من لا مولیٰ لہ ارث مالہ وافک عانیہ، والخال مولیٰ من لا مولیٰ لہ یرث مالہ ویفک عانیہ۔ وفی روایۃ: من ترک کلا فالیّ، ومن ترک مالا فلورثتہ وانا وارث من لا وارث لہ اعقل عنہ وارثہ۔

میں ہر مومن کا خود اس کی ذات سے بھی زیادہ قریب تر ولی ہوں۔ لہٰذا جو شخص کوئی قرض یا واجب الادا مال چھوڑ جائے اس کی ادائیگی کا میں ذمے دار ہوں گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا میں ولی ہوں۔ اس کے مال کا وارث بھی میں ہوں گا اور اس کے اسیر کو بھی میں چھڑاؤں گا۔ ماموں ہر اس شخص کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ وہی اس کے مال کا وارث ہوگا اور وہی اس کے اسیر کو چھڑائے گا۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ: جو بال بچے چھوڑ جائے اس کا ذمے دار میں ہوں اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔ اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث میں ہوں گا۔ اس کے مال کا وارث بھی میں ہوں گا اور اس کا خون بہا بھی میں ادا کروں گا۔

اس فرمانِ نبوی میں کئی مسائل ہیں۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ فرمان دراصل ایک ترجمانی ہے ریاستِ اسلامیہ کے موقف کی، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ افراد، معاشرہ اور اسٹیٹ کے درمیان کس قسم کا رابطہ ہوتا ہے اور دونوں کے حقوق و فرائض کیا ہیں؟ اس سلسلے میں ایک ضروری نکتہ یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ یہ احکام اس دَور کے لئے نہیں ہیں جبکہ اسلامی ریاست ابھی قائم نہ ہوئی ہو بلکہ اس کے قیام کے لئے جدوجہد ہو رہی ہو۔ ایسے عبوری دَور کے احکام اور ہوتے ہیں جن کا ذکر یہاں مقصود نہیں۔ اسے سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل حدیث پر بھی غور فرمائیے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتی بالرجل المتوفی علیہ الدین فیسأل ھل ترک لدینہ قضاء؟ فان حدث انہ ترک وفاء والا قال للمسلمین صلوا علی صاحبکم فلما فتح اللہ علی رسولہ کان یصلی ولا یسأل عن الدین وکان یقول انا اولی بالمؤمنین

من انفسھم فمن توفی من المومنین فترک دینا اوکلاً اوضیاعا فعلی والی ومن ترک مالاً فلورثتہ۔ (رواہ الشیخان والترمذی والنسائی عن ابی ہریرہ)

حضورؐ کے پاس جب کوئی جنازہ ایسا آتا جس پر قرض ہوتا تو حضور دریافت فرماتے کہ کیا اس نے ادائے قرض کا کوئی بندوبست کیا ہے؟ اگر یہ بتا دیا جاتا کہ ہاں کیا ہے تو نماز جنازہ پڑھ لیتے ورنہ عام مسلمانوں سے فرما دیتے کہ تم جا کر نماز پڑھ لو۔ لیکن اللہ نے رسول کو جب فتح دی تو حضور قرض کے بارے میں کچھ سوال نہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے کہ: اہلِ ایمان کا سب سے قریب تر ولی میں ہوں، لہٰذا جو مسلمان قرض یا یتیم یا عیال چھوڑ کر مرے اس کا ذمے دار میں ہوں اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قیام ریاست سے پہلے کے مسائل اور ہوتے ہیں اور بعد میں اور۔ نیز ریاست قائم ہوتے ہی یہ صورتِ حال نہیں پیدا ہو جاتی بلکہ قیامِ ریاست کے بعد جب ریاست اس پوزیشن میں ہو تب یہ صورت پیدا ہو گی۔ یہ پوزیشن ایک نصب العین ہے جسے حاصل کرنے کے لئے ریاست کو مسلسل جدوجہد کرتے رہنا چاہیئے۔ یعنی آئیڈیل یہی ہے خواہ جب بھی ممکن ہو جائے۔

زیر بحث حدیث میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ: میں ہر مومن کا خود اس کی اپنی ذات سے زیادہ قریب تر ولی ہوں۔ یعنی ایک مومن کی جان و مال پر جتنا حق خود اس مومن کا ہے اس سے بھی زیادہ حق پیغمبرؐ کا ہے۔ یہ عین قرآن مجید کی ترجمانی ہے۔ قرآن کے الفاظ یوں ہیں:

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم۔

نبی اہلِ ایمان کا خود اہلِ ایمان سے بھی سے بھی زیادہ حقدار ہے

مطلب یہ ہے کہ مومن اپنے جان و مال پر تصرف کا اتنا حق نہیں رکھتا جتنا رسول رکھتا ہے۔ مومن اپنی مرضی سے کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتا جہاں جان یا مال کا خطرہ ہو لیکن اگر پیغمبر کسی ایسے موقعے پر جانے کا حکم دے تو جانا پڑیگا۔ اگر نبی کسی کے متعلق کوئی فیصلہ (حکم) کر دے تو اسے وہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ صرف ماننا ہی نہیں پڑے گا بلکہ اس فیصلے کے متعلق دل میں بھی کوئی خلش نہیں رکھنی ہوگی۔ قرآن کا فیصلہ اس بارے میں یہ ہے:

ما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی ورسولہ ان یکون لھم الخیرۃ۔

جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو کسی مومن و مومنہ کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

فلا وربک لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔

تیرے رب کی قسم وہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اے رسول آپ کو وہ اپنے اختلافی معاملے میں حکم

نہ پائیں پھر آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں کوئی غبار نہ محسوس کریں اور پوری طرح سرِ تسلیم خم نہ کریں۔

ان دونوں آیتوں کے مضمون کو دیکھنے کے بعد اب اس میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ رسول اہلِ ایمان کے جان و مال اور اختیار و ارادہ پر اتنا زیادہ متصرف ہوتا ہے کہ خود اہلِ ایمان کو بھی اتنا تصرف وحق حاصل نہیں۔

لیکن یہ سپردگی و تسلیم یکطرفہ نہیں کہ رسول کو حقوق تو تمام حاصل ہوں اور فرائض کچھ نہ ہوں۔ ایک طرف اگر رسول کے یہ حق ہیں تو دوسری طرف اہلِ ایمان کے بھی کچھ حق رسول پر ہیں۔ ان ہی حقوق میں سے ایک خاص حق کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک نے اہلِ ایمان کی جان و مال کے بارے میں یہ اعلان فرمایا ہے کہ:

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ..... الخ

اللہ نے مسلمانوں کے جان و مال کو جنّت کے عوض خرید لیا ہے

خرید و فروخت کے چار اجزا ہوتے ہیں اور ان چاروں اجزا کا اس آیت میں ایک ہی جگہ ذکر موجود ہے (۱) خریدار یعنی اللہ۔ (۲) بیچنے والا یعنی اہلِ ایمان (۳) سودا یعنی جان و مال (۴) قیمت یعنی جنّت۔

پس جب اللہ نے اہلِ ایمان کے جان و مال کو خرید لیا تو فی الواقع اس پر سے ان کا تصرف ختم ہو گیا اور اب اس پر اللہ کا نمائندہ (رسول) متصرف قرار پایا۔ لہٰذا اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ رسول ہر مومن کے جان و مال کا حقدار خود اس مومن سے بھی زیادہ ہے۔ یہی معنی ہیں اولیٰ کے۔

لیکن یہ سودا یکطرفہ نہیں۔ اس کے عوض جنّت ہے جہاں نہ اتلاف کا خطرہ ہے نہ نقصان کا غم۔ اسی کی ایک شکل ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ جب معاشرۂ مومنین نے اپنا مال و جان رسول کے حوالے کر دیا تو رسول بھی یہ اعلان کرتا ہے کہ اگر مرنے والا مومن مال چھوڑتا ہے تو اس کے حقدار وہ ورثا ہیں جو معاشرے ہی کا ایک جز ہیں لیکن اگر وہ مقروض مرے تو اس کی ادائیگی میرے (رسول کے) ذمے ہے۔ اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو میں (نمائندۂ ریاست رسول) اس کا وارث ہوں گا اور اسی کے مال سے اس کے اس قیدی کو رہا کراؤں گا جس کی رہائی مرنے والے کے ذمے ہے۔ یہاں درمیان میں ایک اور چیز بھی بتا دی گئی ہے کہ ورثاء تو ذوی الفروض یا عصبات ہوتے ہیں لیکن اگر یہ نہ ہوں تو ذوی الارحام وارث ہوں گے جن میں ایک وارث ماموں بھی ہوتا ہے۔ یہی وارث ہوگا اور یہی اس مرنے والے کے اسیر کو رہا کرائے گا۔

دوسری روایت میں بھی بات وہی بیان کی گئی ہے جو پہلی روایت میں ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اُس میں اسیر چھڑانے کا ذکر ہے اور اس میں خوں بہا ادا کرنے کا۔ یہ دونوں باتیں عرب کے مخصوص کلچر اور رواج سے تعلق رکھتی ہیں۔ ورنہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جو کام مرنے والے کے مال سے اس کا وارث کرتا وہی میں کروں گا۔

یہاں جو ضروری نکتہ قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنی ذات کے فرائض کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا ہے

وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو حضور کے ساتھ ہی ختم ہو جائے بلکہ یہ دراصل ایک اسٹیٹ کے فرائض ہیں جو حضورؐ نے بصیغۂ متکلم بیان فرمائے ہیں۔ ہر وہ ریاست جو اسلامی ریاست بننا چاہے اس کا یہ فرض ہے کہ اسی آئیڈیل کو اپنا نصب العین بنائے اور اسی مقصد کی طرف قدم آگے بڑھائے یہاں تک کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ایک طرف اہلِ ایمان اپنے جان و مال کو معاشرے یا ریاست کے سپرد کر دیں اور ریاست نہ فقط زندگی ہی میں ان کی وارث و کفیل ہو بلکہ مرنے کے بعد بھی اسی طرح اس کی وارث ہو، اس کے واجب الادا فرائض کو ادا کرے اور اس کے قرض وغیرہ کو چکا دے، اس کے خاندان کی کفالت کی ذمے دار ہو، اس کے مال کو اس کے مستحقین تک پہنچا دے وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ ہے کہ فرائض اور حقوق یکطرفہ نہیں بلکہ دونوں ہی طرف سے ہیں۔ اگر پاکستانی مملکت کو اسی منہاجِ نبوت پر لانا ہو تو اس کے لئے بھی دو طرفہ ہی ایثار ضروری ہوگا۔ یہ کوئی سمجھ میں آنے والی منطق نہیں کہ افراد کے لئے تو لامحدود انفرادی ملکیت کا دروازہ کھلا رکھا جائے، اسے عین اسلام قرار دیا جائے۔ مگر دوسری طرف ہر فرد کی ضروریاتِ زندگی کی ذمے داری اٹھانے کا ریاست سے مطالبہ کیا جائے۔ یہ دونوں باتیں ایسی متضاد ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ صحیح اور قرینِ عقل یہی راستہ ہے کہ زیرِ تصرف محدود حوائجِ زندگی کے سوا باقی تمام ذرائع پیداوار و وسائلِ معاش کو معاشرے کے سپرد کر دیا جائے اور پھر وہ معاشرہ ہر فرد کی کفالت کا ذمے دار ہو۔

اگر صرف یکطرفہ اصول یوں جاری کر دیا جائے کہ جو شخص قرضدار مرے گا اس کا قرضہ ریاست چکا دیا کرے گی اور ریاست کو کسی کے جان و مال میں تصرف کرنے کا کوئی اختیار نہ ہوگا تو اس سے جتنا بڑا فساد پیدا ہوگا وہ محتاجِ تشریح نہیں۔ بس پھر تو یہ ہوگا کہ ہر امیر و غریب خوب قرض لے لے کر خرچ کیا کرے گا اور ریاست سے یہ امید رکھ کر مر جائے گا کہ قرض کی ادائیگی تو ریاست کے ذمے ہی ہے۔ بس خوب قرض لو اور اندھا دھند اس امید پر خرچ کئے جاؤ کہ ریاست ادا کر دے گی۔ اس طرح تو چند دنوں میں بڑی سے بڑی ریاست کا دیوالہ نکل جائے گا۔ ریاست آسمان سے کچھ نہیں لائے گی۔ وہ معاشرے سے ہی لے گی اور لے کر معاشرے پر تقسیم کر دے گی۔ معاشرہ کچھ نہ دے تو وہ معاشرے کو کیا دے گی؟ حضورؐ کا مقصد اس فرمان سے یہی ہے کہ ایسے حالات پیدا کرو کہ معاشرے کا سب کچھ ریاست کا ہو جائے اور ریاست سب کچھ معاشرے کے لئے دے دے۔